© rasailojaraid.com

ڈاکٹر حامد خان حامد

اسلام کا اخلاقی اور سیاسی مطمحِ نظر

(دوسری اور آخری قسط)

میں یہ مانتا ہوں کہ ہندوستان کا موجودہ نظامِ تعلیم ہمارے لیے صرف روٹی مہیا کرتا ہے۔ ہم ہر سال معتدبہ گریجویٹ بناتے ہیں اور پھر ان سند یافتہ بھکاریوں کو حکومت کے پاس بھیجتے ہیں تاکہ وہ اپنے لیے ملازمت حاصل کر سکیں۔ اچھا، اگر ہم کچھ اعلیٰ ملازمتیں حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تو کیا؟ عوام میں جو قوم کی ریڑھ کی ہڈی کو ترکیب دیتے ہیں، لہٰذا ان کے لیے اچھی خوراک، اچھی رہائش اور اچھی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے۔ زندگی صرف روٹی سے عبارت نہیں، یہ اس سے بالاتر کوئی چیز ہے۔ یہ ایک صحت مند کردار ہے جو تمام پہلوؤں میں قوم کے مطمحِ نظر کی عکاسی کرتا ہے۔ صحیح قومی کردار کی تشکیل کے لیے صحیح قسم کی قومی تعلیم ہونی چاہیے۔ کیا اس نوجوان لڑکے میں آزاد اسلامی کردار کی توقع کی جا سکتی ہے جس کی تربیت کسی چندے کے سکول میں ہوئی ہو اور جو اپنی تاریخی، اجتماعی اور معاشرتی روایات سے بالکل غافل رہا ہو؟ اسے کرامویل کی تاریخ کے اسباق ازبر کرائے جاتے ہیں، ان حالات میں اس سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ اس میں ایک صحیح اور سچے مسلمان کا کردار پیدا ہو جائے گا۔ کرامویل کی اس کے اندر یقیناً تنگ نظر انقلابیوں کے لیے تعریف کے جذبات تو پیدا کر دے گی، لیکن اس کی روح میں وہ صحت مند فخر یا غرور پیدا نہیں کر سکتی جو سچے قومی اور ملی کردار کی روحِ رواں ہے۔ ہمارا تعلیم یافتہ نوجوان ولنگٹن اور گلیڈسٹون، والٹیر اور لوتھر کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ وہ آپ کو یہ بتا دے گا کہ لارڈ رابرٹس نے اٹھارہ سال کی عمر میں ایک عام سپاہی کی حیثیت سے جنوبی افریقہ کی جنگ میں حصہ لیا، لیکن ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ محمد ثانی نے بائیس سال کی عمر میں قسطنطنیہ کو فتح کیا؟ ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو جدید یورپ کی تہذیب و تمدن پر ہماری اسلامی تہذیب و تمدن کے اثر کا دھندلا سا تصور رکھتے ہیں؟ ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو ابنِ خلدون کی حیرت انگیز تاریخی تخلیق سے آشنا ہیں؟ الجزائر کے امیر عبدالقادر اعظم کے غیر معمولی شریف کردار سے واقف ہیں؟ زندہ قوم اس لیے زندہ ہوتی ہے کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے مردوں کو فراموش نہیں کرتی۔ میں یہ کہنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اس ملک کا موجودہ نظامِ تعلیم ہمارے لیے بحیثیت ایک قوم کے بالکل مناسب نہیں۔ قومی حیثیت سے یہ ہمارے خیالات کے مطابق نہیں۔ یہ غیر اسلامی قسم کے کردار کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ہمارے قومی اور ملی مقتضیات پر پورا نہیں اترتا۔ یہ ہمارے ماضی کو ہم سے منقطع کر دیتا ہے اور اس جھوٹے تصور کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ تعلیم کا مطمح نظر انسانی دانش کی تربیت ہے نہ کہ انسانی ارادے کی۔ نہ ہی یہ سطحی نظامِ تعلیم ہندوؤں کے معتقدات کے عین مطابق ہے۔ ہندوؤں میں اس نظام کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کچھ سیاسی شاعت پسندی کو جنم دیتا ہے جن کا غلط مطالعۂ تاریخ ان کو سیاسی نظم و ضبط اور اجتماعی و معاشری امن و امان کے بجائے حالات کو درہم برہم کرنے کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ ہم ہر سال ایک بڑی رقم بچوں کی تعلیم پر خرچ کرتے ہیں۔ بادشاہ ـــ شہنشاہ، کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ ہندوستان ایک آزاد ملک ہے۔ ہر شخص یہاں اپنی مرضی کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ لیکن میں اس کو بے کار سمجھتا ہوں۔ ہمیں اپنا بننے کے لیے چاہیے کہ ہم اپنے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کریں، اپنی اجتماعی و معاشری اور تاریخی روایات کو زندہ رکھیں، اپنے آپ کو اچھا اور امن پسند شہری بنائیں، اپنے اندر وہ آزاد مگر قانون کی پابند روح پیدا کریں جس سے شریف ترین اقوام کی سیاسی خوبیاں پرورش اور نشو و نما پاتی ہیں۔ مجھے ان مشکلات کا بخوبی احساس ہے جو ہمارے راستے میں موجود ہیں۔ جو کچھ میں کہہ سکتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنی مشکلات پر قابو نہیں پا سکتے تو وہ دن دور نہیں جب دنیا ہمارے وجود سے چھٹکارا حاصل کر لے گی۔

اسلام کے اخلاقی مطمح ہائے نظر پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اب میں چند کلمات اسلامی مطمح نظر کے سیاسی پہلو کے بارے میں بیان کرتا ہوں۔ اس سے قبل کہ میں موضوع کی طرف رجوع کروں میں اس اعتراض کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے یورپی نقادوں کی طرف سے اسلام کے خلاف اٹھایا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو جنگ کی صورتِ حال پیدا کرتا ہے اور صرف جنگ کی صورتِ حال ہی میں پنپتا ہے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جنگ قوم یا ملت کی قوت کا اظہار ہوتی ہے: جو قوم لڑنا نہیں جانتی وہ انتخابی مقابلے کے دباؤ اور کھینچا تانی میں خود کو برقرار نہیں رکھ سکتی۔ اس انتخابی مقابلے پر تمام انسانی ترقیوں کی ناگزیر صورتِ حال کا دارومدار ہے۔ قرآنِ مجید نے دفاعی جنگ لڑنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن منکروں اور کافروں کے خلاف جارحانہ جنگ لڑنے کا عقیدہ اسلام کی مقدس کتاب کی رو سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالکل ناجائز ہے۔ ذیل میں قرآنِ مجید کے الفاظ درج کیے جاتے ہیں :

"ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلاؤ بڑی دانائی اور مشفقانہ انتباہ کے ساتھ۔ ان کے ساتھ جھگڑا بہت ہی زیادہ مہربانی کے انداز میں کرو۔ جاہلوں سے اور ان سے جنھیں کتاب دی گئی ہے یہ کہو: کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ اگر انھوں نے اسلام قبول کرلیا تو وہ ہدایت کے راستے پر گامزن ہوگئے، لیکن اگر انھوں نے انحراف کیا تو تیرا فرض صرف تبلیغ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں اپنے بندوں پر ہیں۔"

تمام جنگیں جو پیغمبرِ اسلام کے زمانۂ حیات میں لڑی گئیں، دفاعی تھیں۔ جو جنگ انھوں نے رومی حکومت کے خلاف ۶۲۸ء میں لڑی اس کی ابتدا حکومتِ قسطنطنیہ کی طرف سے بین الملّی قانون کی مہلک اور خوفناک خلاف ورزی کے نتیجے میں ہوئی جس نے بے گناہ عرب سفیر کو جسے اس حکومت کے دربار میں بھیجا گیا تھا قتل کردیا۔ دفاعی جنگوں میں بھی پیغمبرِ اسلام نے مفتوح پر وحشیانہ ظلم کرنے سے منع کیا ہے۔ ذیل میں آپ کے وہ رقت انگیز کلمات درج کرتا ہوں جو آپ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے اس وقت ادا کیے جب وہ جنگ کے لیے جارہے تھے:

"ہم پر جو زخم لگیں ان کا انتقام لیتے وقت ان لوگوں کو مت ستاؤ جو بے ضرر عبادت گزار ہیں اور عزلت گزینی کی زندگی بسر کرتے ہیں؛ عورتوں کو بھی نظر انداز کردو، دودھ پیتے بچوں کو تکلیف مت دو، اور ان لوگوں کو بھی کچھ نہ کہو جو مریض ہیں اور بستروں پر دراز ہیں۔ غیر مزاحم باشندوں کے مکانات مسمار کرنے سے اجتناب کرو، ان کے روزی اور معاش کے وسیلوں کو برباد نہ کرو، پھل دار درختوں کو بھی خراب نہ کرو، کھجور کے درختوں سے بھی دور رہو۔"

تاریخِ اسلام ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام کی توسیع و اشاعت بطور مذہب کسی صورت میں بھی اس کے پیرووں کے سیاسی اقتدار سے مربوط نہیں۔ اسلام کی سب سے بڑی روحانی فتوحات ہمارے سیاسی زوال اور انحطاط کے زمانے میں عمل میں آئیں، جب منگولیا کے بدوی اور غیر متمدن وحشیوں نے بغداد کی تہذیب کو ۱۲۵۸ء میں خون میں نہلایا، جب ہسپانیہ میں مسلم اقتدار کا خاتمہ ہوا اور اسلام کے پیرو بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ قتل کردیے گئے یا ان کو ۱۲۳۶ء میں فرڈی ننڈ کے حکم سے قرطبہ سے باہر نکال دیا گیا تو اسلام نے سماٹرا میں جڑ پکڑی اور ملادی مجمع الجزائر میں پُرامن تغیرِ مذہب کا کام شروع کیا۔

پروفیسر آرنلڈ کا بیان ہے کہ "اسلام نے سیاسی زوال اور انحطاط کے زمانے میں چند ایک شاندار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتوحات حاصل کی ہیں۔ دو بڑے تاریخی موقعوں پر بے دین اور کافر وحشیوں نے اپنے پاؤں پیغمبر اسلام کے ماننے والوں کی گردنوں پر رکھے یعنی ترکان سلجوق نے گیارھویں صدی عیسوی میں اور منگولوں نے تیرھویں صدی عیسوی میں اور ان دونوں مواقع پر فاتحین نے مفتوحین کے مذہب کو قبول کیا۔" وہی دانش مند محقق ایک اور جگہ کہتا ہے کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے اپنی بڑی بڑی اور مستقل تبلیغی فتوحات ان اوقات میں اور ان مقامات پر حاصل کی ہیں جب اور جہاں اس کا سیاسی اقتدار کمزور تھا جیسا کہ جنوبی ہندوستان اور مشرقی بنگال کی تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے۔"

صداقت تو یہ ہے کہ اسلام لازمی طور پر امن کا مذہب ہے۔ سیاسی، اجتماعی اور معاشرتی خلل کی تمام صورتوں کو قرآن نے غیر مصالحت پسندانہ اصطلاحات میں مسترد کیا ہے۔ میں ذیل میں قرآن مجید کی کچھ آیات پیش کرتا ہوں۔

"کھاؤ اور پیو اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے اور برائیوں یا سرکشیوں کے انداز میں زمین کی سطح پر مت دوڑو۔"

"زمین کی اصلاح کے بعد اس کا امن و امان خراب نہ کرو۔ اگر تم ایمان رکھتے تو یہ تمھارے حق میں اچھا ہے۔"

"اور دوسروں کے ساتھ بھلائی کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ بھلائی کی ہے۔ اور زمین پر امن کی خلاف ورزی کرنے کی کوشش نہ کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عزیز نہیں رکھتا جو امن میں خلل ڈالتے ہیں۔"

"دوسری دنیا میں وہ ایک گھر ہے جو ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین پر خلل اور بغاوت برپا نہیں کرتے، اور آخرت ان کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔"

"وہ لوگ جنھوں نے شہروں میں بغاوت اور سرکشی سے کام لیا اور اُن میں بدنظمی پیدا کی، اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا کے طور پر کوڑے لگائے۔"

ان آیات سے پتا چلتا ہے کہ قرآن مجید نے کتنی سختی کے ساتھ کھلے انداز میں سیاسی، اجتماعی اور معاشرتی بدنظمیوں کی تمام صورتوں کی مذمت کی ہے، لیکن قرآن مجید صرف فساد کی برائی بیان کرنے اور اس کی مذمت کرنے پر مطمئن نہیں ہے، وہ اس برائی کی جڑ تک جاتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ قدیم اور جدید دونوں ز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا خفیہ جلسے سیاسی، اجتماعی اور معاشرتی بے اطمینانی اور انتشار کا مستقل ذریعہ رہتے ہیں۔ قرآنِ مجید ایسے جلسوں اور کانفرنسوں کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے وہ یوں ہے: "اے ایمان والو! اگر تم خفیہ طور پر بات چیت کرو گے یعنی خفیہ جلسے منعقد کرو گے تو گناہ، بغاوت اور سرکشی سے متعلق بات چیت نہ کرو۔"

اسلام کا مطمحِ نظر بر قیمت پر اجتماعی اور معاشرتی امن و امان کو حاصل کرنا ہے۔ معاشرے میں سخت اور شاید قسم کے تمام طریقوں کی بڑی روشن اور واضح زبان میں مذمت کی گئی ہے۔ طرطوشی، ہسپانیہ کا ایک مسلمان و کیل، روحِ اسلام کی صحیح ترجمانی کرتا ہے جب وہ کہتا ہے: "جابرانہ حکومت کے چالیس سال طوائف الملوکی کے ایک گھنٹے سے بدرجہا بہتر ہیں۔" خدا کا پیغمبر بخاری کی ایک روایت کی رو سے کہتا ہے: "اگر کوئی حبشی غلام بھی تم پر حکمرانی کرنے کے لیے مقرر کیا جائے تو تم کو چاہیے کہ اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔" مسلم، عرفجہ کی سند پر پیغمبرِ اسلام کی ایک اور اہم حدیث بیان کرتا ہے: "میں نے پیغمبرِ اسلام کو یہ کہتے سنا ہے: جب تم ایک آدمی کی قیادت پر راضی ہو گئے ہو تو اگر کوئی دوسرا شخص تمھاری لاٹھی کو توڑنے یعنی تمھاری طاقت کو کمزور کرنے یا تم کو عدمِ اتحاد کے ساتھ منتشر کرنے کے ارادے سے آگے آئے تو تم اس کو قتل کر دو۔"

ہم میں سے وہ لوگ جو اس بات کو اپنا شعار بناتے ہیں کہ سیاسی عقاید میں مسلمانوں کی ہیئت عمومی سے اختلاف کریں، تو ان کو چاہیے کہ اس حدیث کو بڑے غور اور بڑی احتیاط سے پڑھیں اور اگر ان کے دل میں پیغمبرِ اسلام کے الفاظ کے لیے کوئی احترام ہے تو یہ ان کا فرض ہے کہ سیاسی رائے کے اظہار میں خود کو اس گھٹیا روش سے باز رکھیں۔ اگرچہ ان کی غلط روش سے اُن کو تھوڑا سا ذاتی فائدہ حاصل ہونے کا امکان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روش قومی مفادات کے حق میں بڑی حد تک ضرر رساں ہے۔

ان آیات اور احادیث کو یہاں پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ سیاسی رائے کی اسلامی خطوط کے مطابق ترتیب کروں۔ اس ملک میں ہم عیسائی حکومت کے تابع فرمان ہیں۔ ہمیں اپنی نظروں کے سامنے ابتدائی مسلمانوں کی مثال کو رکھنا چاہیے جن کو ان کے ہم وطنوں نے آزار پہنچایا اور وہ نتیجے کے طور پر اپنے وطنِ مالوف سے ہجرت کر کے ایک عیسائی حکومت حبشہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ انھوں نے اس ملک میں رہنے کی جو روش اختیار کی وہ اس ملک میں ہماری راہنمائی کر سکتی ہے جہاں مغربی عقاید کے اثرات نے لوگوں کو تاریخی شعور کی زبردست اور خوفناک کمی کے باوجود موجودہ حکومت پر نکتہ چینی کرنا سکھا دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ ہمارے تعلقات قرآنِ مجید نے معین کر دیے ہیں۔ چنانچہ کہتا ہے :

"تم دوستی میں خود کو ان لوگوں کے زیادہ قریب پاؤ گے جو اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں۔ یہ بات اس بنا پر ہے کہ ان میں جو لوگ ہیں، وہ پڑھے لکھے ہیں، دانش مند ہیں، مرتاض ہیں، اور یہ لوگ کبھی بے کار نہیں ہوتے۔"

یہ امر معین کرنے کے بعد کہ اسلام امن کا ایک مذہب ہے، میں اسلامی مطمحِ نظر کے خالصتاً سیاسی پہلو پر غور کرنے کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یعنی اسلام کے اس مطمحِ نظر کی طرف جو مدنی شخصیت کے ذہن میں موجود ہے۔ ایک آباد معاشرے میں اسلام اپنے پیروؤں سے بطور ایک قوم یا ملت کے کیا توقع رکھتا ہے؟ وہ کیا اصول ہونے چاہئیں جو قومی یا ملی معاملات کے نظم و نسق میں ان کی راہنمائی کریں؟ ان کا بنیادی مقصد کیا ہونا چاہیے اور کس طرح اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ اسلام ایک مذہب یا مسلک سے بالاتر بھی کوئی چیز ہے، یہ ایک قوم ہے، ایک ملت ہے، اسلام کی بطور قوم یا ملت رکنیت کا تعلق ولادت، مقام یا حقِ قومیت سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عقیدے اور ایمان کی شناخت سے ہے۔ ہندوستانی مسلمان کی تعبیر خواہ کتنی ہی مناسب کیوں نہ ہو، اصطلاحات کی خلاف ورزی ہے کیوں کہ اسلام اپنے جوہر کے اعتبار سے زمان اور مقام کی جملہ شرائط سے بالاتر ہے۔ ہماری قومیت صرف ایک عقیدہ ہے۔ یہ جغرافیائی بنیادوں پر استوار نہیں، لیکن چوں کہ ایک اوسط درجے کا آدمی قومیت کے مادی مرکز کا مطالبہ کرتا ہے اس لیے مسلمان مکے کے مقدس شہر میں اس کی جستجو کرتا ہے تاکہ مسلم قومیت حقیقی اور تصوری یا ٹھوس اور تجریدی پہلوؤں کا امتزاج بن جائے۔ چناں چہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کے مفادات مسلمانوں کے مفادات سے افضل اور اعلیٰ ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ انفرادی مفادات قومی مفادات کے تابع ہیں۔ قومیت ہی اسلامی اصول کی خارجی علامت ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو اسلام میں انفرادی آزادی کو محدود کرتا ہے، ورنہ اسلام کے آئین کی رو سے ہر فرد مطلقاً آزاد ہے۔ ایسی قوم کے لیے حکومت کی بہترین صورت جمہوریت ہے جس کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ آدمی کو قابلِ عمل حد تک آزادی دی جائے تاکہ وہ اپنی فطرت کے تمام امکانات کی نشوونما کر سکے۔ خلیفۂ اسلام کوئی معصوم ہستی نہیں، وہ بھی اسی قانون کی اطاعت کرتا ہے جس کی پیروی مسلمان کرتے ہیں۔ اس کا انتخاب لوگوں کی طرف سے عمل میں آتا ہے، اور جب وہ قانون کی خلاف ورزی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رتا ہے تو لوگ ہی اس کو معزول کرتے ہیں۔ ترکی کے موجودہ سلطان کے ایک بزرگ پر ایک معمار کی طرف سے معمولی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ معمار کے استغاثے پر قاضیِ شہر نے اس پر جرمانہ کر دیا۔ جہاں تک سیاسی مطمح نظر تعلق ہے جمہوریت اسلام کا اہم ترین پہلو ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ مسلمان اپنی فرادی آزادی کے مطمح نظر کے ساتھ ایشیا کی سیاسی ترقی اور ارتقا کے لیے کچھ نہیں کر سکے۔ ان کی جمہوریت صرف تیس سال رہی اور ان کی سیاسی وسعت کے ساتھ منقطع ہو گئی۔ اگرچہ انتخاب کا اصول ایشیا میں بالکل نیا اور انوکھا نہیں تھا (کیوں کہ قدیم اشکانی حکومت کی بنیادیں اسی اصول پر استوار تھیں) لیکن اسلام کے ابتدائی ایام میں یہ اصول ایشیا کی قوموں کے لیے موزوں نہ تھا، تاہم یہ اصول سیاسی طور پر مغربی قوم کے لیے وقف کر دیا گیا تاکہ وہ ایشیا کے ممالک میں جان ڈال سکے۔ عصرِ جدید میں جمہوریت انگلستان کا سب سے بڑا عقیدہ ہے اور انگریز سیاست دانوں نے اس اصول پر بڑی دلیری سے ان ممالک میں استعمال کیا جو صدیوں سے شخصی حکومت کی سفاک صورتوں کے ماتحت فریاد کناں تھے۔ حکومتِ برطانیہ ایک بڑی اور وسیع سیاسی ہیئت ہے۔ اس کی قوتِ حیات کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اس اصول پر تدریجی طور پر عمل کر رہی ہے۔ نوعِ انسان کے سیاسی ارتقا میں حکومتِ برطانیہ کا استقلال مہذب عنصر یا عامل کی حیثیت سے ہمارے مفادات میں سے ایک بڑا مفاد ہے۔ اس وسیع و عریض حکومت کو ہماری پوری ہمدردی اور بھرپور احترام حاصل ہے کیوں کہ یہ ہمارے سیاسی مطمح نظر کا ایک پہلو ہے جو اس حکومت میں آہستہ آہستہ پروان چڑھ رہا ہے۔ انگلستان درحقیقت ہمارے ہی فرائض میں سے ایک بڑا فرض انجام دے رہا ہے۔ ناسازگار حالات نے ہمیں موقع نہ دیا کہ ہم اس فرض کو جامۂ عمل پہناتے۔ یہ مسلمانوں کی تعداد نہیں جس کی حفاظت اس حکومت میں کی جاتی ہے بلکہ حکومتِ برطانیہ کی روح ہے جو اس ملک کو دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک بنا رہی ہے۔

اب میں مسلمان معاشرے کے سیاسی ڈھانچے کی طرف توجہ مبذول کرتا ہوں جس طرح اسلامی اخلاقیات کے دو بنیادی قضیے ہیں، اسی طرح اسلامی سیاسی ڈھانچے کی بنیادیں بھی دو قضیوں پر استوار ہیں:

۱۔ خدا کا قانون سب سے بڑا ہے۔ عالم کا سوائے اس بات کے کہ وہ قانون کا مترجم ہو اسلام کے اجتماعی اور معاشرتی ڈھانچے میں اور کوئی مقام نہیں۔ اسلام میں شخصی اقتدار کا خوف ہے۔ ہم اس امر کو انسانی انفرادیت کی نشوونما کا دشمن سمجھتے ہیں۔ بے شک شیعہ اس معاملے میں سنیوں سے اختلاف رکھتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خلیفہ یا امام کا تقرر خدا کی طرف سے عمل میں آتا ہے اور قانون کی جو وہ تفسیر و ترجمانی کرتا ہے وہ آخری، قطعی اور حتمی ہے۔ وہ فطرتاً معصوم ہوتا ہے لہٰذا اس کا اقتدار سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ یقیناً اس عقیدے میں خفیف سی صداقت موجود ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کا اصول نوع انسان کی تاریخ میں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سرگرم عمل رہا ہے۔ لیکن اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ یہ عقیدہ قدیم اور ابتدائی معاشروں میں اچھی طرح کام کرتا ہے اور اپنی کوتاہی یا نقص کا اظہار کرتا ہے جب اس کو تہذیب کے اعلیٰ مراحل پر منطبق کیا جاتا ہے۔ لوگ بتدریج اس عقیدے سے بیزار ہو جاتے ہیں جیسا کہ حالیہ واقعات سے جو ایران میں رونما ہوئے، ظاہر ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ ایران ایک شیعی ملک ہے۔ اصولِ انتخاب کے تعارف سے اپنی حکومت میں بنیادی ہیئتی تبدیلی لانے کا متقاضی ہے۔

۲۔ قوم کے تمام افراد میں قطعی مساوات ہونے کی وجہ سے اسلام میں اشرافیہ کا وجود نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اسلام میں امرا کا کوئی طبقہ نہیں۔ نہ ہی پیشوائی یا ملائیت اور نسلی عصبیت بھی نہیں ہے۔ اسلام ایک اکائی اور ایک وحدت ہے جس میں کوئی تفریق اور امتیاز نہیں ہے۔ یہ اکائی اور وحدت اس طرح حاصل کی جاتی ہے کہ لوگوں کو دو زیادہ قضیوں کا یقین اور ان میں پختہ ایمان دلایا جائے اور وہ دو قضیے یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ کی رسالت۔۔۔ یہ وہ قضیے ہیں جو مافوق الفطرت کردار کے حامل ہیں لیکن نوعِ انسان کے عمومی مذہبی تجربے پر مبنی ہونے کی وجہ سے ایک اوسط درجے کی انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلامی مساوات کے اس اصول نے ابتدائی مسلمانوں کو دنیا کی زبردست اور سب سے بڑی سیاسی طاقت بنا دیا تھا۔ اسلام نے تفریق اور امتیاز مٹانے والی قوت کے طور پر کام کیا ہے۔ اس مذہب نے فرد میں باطنی قوت کا جذبہ اور احساس پیدا کیا ہے۔ اس نے ان لوگوں کو بلند تر کیا جو اجتماعی اور معاشرتی طور پر پست تھے۔ پسماندہ لوگوں کو ترقی سے ہمکنار کرنا ہندوستان میں مسلم سیاسی طاقت کا سب سے بڑا راز تھا۔ اس ملک میں برطانوی اقتدار اور حکومت کا نتیجہ بھی بالکل اسی طرح رہا ہے اور اگر انگلستان اس اصول کے مطابق عمل کرتا رہے تو ہمیشہ اس کے لیے قوت کا سرچشمہ رہے گا جیسا کہ سابق فرمانرواؤں کے لیے رہا تھا۔

کیا ہم ہندوستانی مسلمان اپنی اجتماعی و معاشرتی اقتصادیات میں اس اصول پر عمل پیرا ہیں؟ کیا اسلام کی ترکیبی وحدت یا اکائی اس سرزمین پر برقرار ہے؟ مذہبی خیالات نے مختلف قسم کے فرقے اور مذہبی جماعتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم کر دی ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہیں۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کی طرح ذات پات اور فرقہ ذات پات کا تصور بھی ہے! یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس معاملے میں ہم نے ہندوؤں کو بھی مات کر دیا ہے۔ ہم ذات پات کے دوہرے نظام میں مبتلا ہیں — مذہبی ذات پات کا نظام، فرقہ پرستی اور اجتماعی یا معاشری ذات پات کا نظام۔ یہ باتیں یا تو ہم نے خود سیکھی ہیں، یا ہندوؤں سے ورثے میں حاصل کی ہیں۔ یہ ایک خاموش اور پُراسرار راستوں میں سے ایک... راستہ ہے جس کے ذریعے مفتوحہ قومیں فاتحین سے اپنا انتقام لیتی ہیں۔ میں اس ملعون و مردود مذہبی اور اجتماعی یا معاشری فرقہ پرستی کی سختی سے مذمت کرتا ہوں میں اس روش کی مذمت کرتا ہوں اللہ کے نام پر، انسانیت کے نام پر، موسیٰؑ کے نام پر، عیسیٰ مسیحؑ کے نام پر اور اس کے نام پر — جذبہ و احساس کی ایک لہر، ایک موج میری روح کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے جب میں اس مقتدر اور محترم نام کا تصور کرتا ہوں — ہاں اس کے نام پر جو حریت اور مساوات کا آخری پیغام نوعِ انسان کے لیے لایا۔ اسلام ایک اور ناقابلِ تقسیم ہے، یہ امتیازات کو برداشت نہیں کرتا۔ اسلام میں وہابیوں، شیعوں اور سنیوں کا کوئی وجود نہیں، صداقت اور سچائی کی تفسیر و تعبیر کے لیے لڑو، خاص طور پر اس وقت جب صداقت اور سچائی خود خطرے میں پڑ گئی ہو۔ جب تم راستے کی تاریکی میں چلو گے تو ٹھوکر کھاؤ گے اور اس طرح ٹھوکر کھانے کی شکایت کرنا حماقت ہے۔ سب کو آگے بڑھنا چاہیے اور آگے بڑھ کر قوم کی کشمکش اور جدوجہد میں حصہ لینا چاہیے۔ جماعتوں کے امتیاز اور فرقہ پرستی کے بتوں کو ہمیشہ کے لیے توڑ دینا چاہیے۔ ملک کے تمام مسلمانوں کو ایک بار پھر طاقت اور وحدت میں ضم ہو جانا چاہیے۔ ہم اپنے اندرونی انتشار اور اختلال کی موجودگی میں یہ کس طرح توقع کر سکتے ہیں کہ ہم دوسروں کو اپنے طریقِ تفکر کی رغبت دلانے میں کامیاب ہو جائیں گے؟ توہم پرستی سے انسانیت کو نجات دلانا اسلام کا من حیث القوم بنیادی مطمحِ نظر ہے۔ اس مطمحِ نظر کے حصول کے لیے ہم نے اس اسطورہ، افسانہ اور توہم پرستی کی سرزمین میں بہت تھوڑا کام کیا ہے۔ اگر توہم پرستی سے نجات دلانے والے لوگ خود ہی توہم پرستی میں مبتلا ہو جائیں تو انسانیت کو توہم پرستی سے نجات دلانے کا کام کبھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچے گا حالاں کہ توہم پرستی سے نجات دلانا منجیوں یا نجات دہندوں کا بنیادی مقصد ہے[1]

---

[1] علامہ اقبال کے اس مضمون کا انگریزی میں عنوان ہے: Islam as a moral and

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Political ideal - پہلی مرتبہ یہ مضمون علامہ اقبال نے انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے ایک اجلاس میں پڑھا تھا۔ اس کی اشاعت بھی پہلی بار لاہور کے ایک مشہور پرچے "Observer" میں اپریل ۱۹۰۹ء میں ہوئی۔ بعد ازاں یہ الہ آباد کے رسالے ہندوستان ریویو میں جولائی اور دسمبر ۱۹۰۹ء میں چھپا۔ دو کتابوں میں بھی یہ مضمون شائع ہو چکا ہے۔ ایک کتاب کا نام ہے Thought and Reflections of Islam جسے سید عبدالواحد نے ترتیب دیا ہے اور شیخ محمد اشرف نے کشمیری بازار لاہور سے مئی ۱۹۶۴ء میں چھاپا۔ دوسری کتاب Discourses of Iqbal کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے مؤلف شاہد حسین رزاقی ہیں اور شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۹ء میں شائع کیا ہے۔

عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ

ترجمہ شاہد حسین رزاقی

یہ کتاب ڈاکٹر زبید احمد کی گراں قدر تصنیف "کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو عربک لٹریچر" کا ترجمہ جس میں بہت تفصیل سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ عربی ادبیات کے فروغ میں برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں نے کس قدر اہم حصہ لیا ہے۔ اس کتاب میں تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، کلام، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، طب، تاریخ، لغت، شعر و ادب وغیرہ سے متعلق تصانیف اور مصنفین کا تذکرہ جداگانہ ابواب میں کیا گیا ہے اور چونکہ ان تصانیف میں سے اکثر طبع نہیں ہوئی ہیں، اس لیے اس کتاب میں پیش کردہ معلومات کی اہمیت اور زیادہ ہو گئی ہے۔ عربی سے مسلمانوں کے گہرے روحانی تعلق اور کتاب کی علمی اور تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر جناب شاہد حسین رزاقی صاحب نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ رواں دواں اور شُستہ ہے۔

اسلامیانِ پاک و ہند کی دینی اور علمی تاریخ سے باخبر ہونے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہو گا۔

صفحات ۱۲+ ۴۲۷ قیمت ۲۵ روپے

ملنے کا پتا : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور

© rasailojaraid.com